# سنّتِ رسولؐ

(شیخ مصطفیٰ السباعی)

[اس مقالے کے ابتدائی حصص "ترجمان القرآن" میں محرم ۱۳۸۲ھ سے محرم ۱۳۸۳ھ تک کے شماروں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ مقالہ ابھی تک نامکمل ہے۔ "المسلمون" میں اس کی چند مزید قسطیں شائع ہوئی ہیں جن کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔]

گزشتہ مباحث میں علماء حدیث کی ان مبارک اور موثر خدمات کا ذکر کیا جا چکا ہے جو انہوں نے سنت کی حفاظت اور مدافعت کے سلسلے میں سر انجام دی ہیں۔ ان خدمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت کی عمارت اپنے دونوں ارکان — قرآن اور سنت — کے بل پر ہمیشہ کے لیے استوار اور مستحکم ہو گئی اور امت مسلمہ اس قابل ہو گئی کہ وہ پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی طرف رجوع کر سکے۔ حدیث کا ذخیرہ اب ہر طرح کی مداخلت اور آمیزش سے محفوظ ہو چکا تھا۔ صحیح، حسن اور ضعیف احادیث کے مابین کامل امتیاز کیا جا چکا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے تمام مفسدین، منافقین، زنادقہ اور نفس پرستوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے اپنی شریعت کے بچاؤ کا انتظام فرما دیا تھا۔ اس مرحلے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تدوینِ سنت کی مساعی کا ایک عمومی جائزہ لے لیا جائے۔

تدوینِ سنت: [redacted] بیان کیا جا چکا ہے کہ عہدِ نبوی میں سنت کی تدوین اس نہج پر نہیں ہوئی تھی جس نہج پر قرآن کی ہوئی تھی بلکہ سنت صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھی اور اسے زبانی روایت کے ذریعے تابعین کی طرف منتقل کیا گیا۔ ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ عہدِ رسالت میں حدیث کی عدمِ تدوین سے مراد عدمِ کتابت نہیں ہے کیونکہ یہ عصرِ سعادت کتابتِ حدیث کی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ صحابۂ کرام کے دور میں بھی حدیث کی تدوین باقاعدہ اور وسیع پیمانے پر نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ارادہ کیا تھا مگر بعد میں انہوں نے خود ہی ملتوی کر دیا۔ بیہقی نے مدخل میں عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا تھا

کہ احادیث کو جمع کر کے قلمبند کرائیں۔ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو انہوں نے بھی اس کی تائید کی لیکن حضرت عمرؓ اس کے باوجود متامل رہے اور ایک ماہ تک اللہ سے استخارہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن صبح اٹھے تو اللہ نے اُن کے دل کو ایک فیصلے پر جما دیا۔ آپ نے فرمایا "میرا ارادہ تھا کہ سنن کی کتابت کراؤں لیکن مجھے اُن قوموں کا خیال آیا جنہوں نے تم سے پہلے کتابیں لکھیں اور کتاب اللہ کو چھوڑ کر انہی میں منہمک ہو گئے۔ خدا کی قسم میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی دوسری چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا"۔ (جامع بیان العلم ج اول صفحہ ۷۶ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے آپ کا یہ عذر نہایت معقول اور قوی تھا۔ قرآن کو نازل ہوئے زیادہ مدت نہیں گزری تھی اور مصحف کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہونے پائی تھی۔ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے تھے۔ اس لیے کتاب اللہ کے حفظ، مطالعہ اور تلاوت پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت تھی تاکہ وہ اُن کے عقائد میں سنگِ بنیاد کے طور پر نصب ہو جائے اور تحریف و تغییر کے تمام شوائب سے پاک ہو جائے۔ یہی صورتِ حال قائم رہی یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنوں کا آغاز ہوا اور حدیث میں جھوٹ کی آمیزش شروع ہو گئی۔ وضعِ حدیث کی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے تابعین و تبع تابعین بھی مستعد اور کمربستہ ہو گئے۔ اُن کی عظیم الشان کوششوں کا اجمالی تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ سب سے پہلا کام جو انہوں نے اس سلسلے میں کیا وہ یہ تھا کہ جتنی احادیث کا جمع کرنا اُن کے لیے ممکن تھا، انہیں جمع کر کے لکھ لیا مبادا کہ یہ ذخیرہ ضائع ہو جائے یا اس میں کوئی کمی یا بیشی واقع ہو۔

روایات اس امر میں قریب قریب متفق ہیں کہ تابعین میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جمع و تدوین کی جدوجہد کی۔ چنانچہ انہوں نے مدینے میں اپنے عامل و قاضی ابوبکر ابن حزم کو لکھا "احادیثِ نبوی کو تلاش کیجیے اور لکھ لیجیے۔ مجھے علماء کے اُٹھ جانے اور علم کے مٹ جانے کا خدشہ ہے"۔ اسی طرح حضرت ابن عبدالعزیز نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ (متوفیہ ۹۸ھ) اور قاسم ابن محمد بن ابی بکر (متوفی ۱۲۰ھ) سے بھی مطالبہ کیا تھا کہ جتنا ذخیرۂ حدیث اُن کے پاس ہے، اُسے لکھوا لیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؒ نے صرف ابوبکر ابن حزم کو اس کام کے لیے خاص نہیں کیا تھا بلکہ تمام عمال اور علماء کو آپ نے اس کی ہدایت کی

تھی۔ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں یہ روایت بیان کی ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے تمام اطراف واکناف سلطنت میں یہ فرمان بھجوایا تھا کہ "حدیث رسولؐ کو تلاش کر کے جمع کرو۔" اس طرح درحقیقت حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے جدِ امجد (حضرت عمرؓ) کی اُس دلی تمنا کو پورا کیا جو ان کے قلب کی گہرائیوں میں جاگزین رہی مگر وہ اُسے عملی جامہ پہنانے سے صرف اس وجہ سے باز رہ گئے کہ کہیں قرآن و حدیث گڈمڈ نہ ہو جائیں یا توجہ قرآن سے ہٹ کر صرف حدیث پر ہی مرتکز نہ ہو جائے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابوبکر ابن حزم نے سنت کا کچھ ذخیرہ جمع کیا تھا اور عمرہ اور قاسم کے پاس جو کچھ تھا اُسے بھی فراہم کر کے بھیج دیا تھا لیکن انہوں نے مدینے کے جملہ سنن و آثار کو اکٹھا نہیں کیا۔ یہ کام صحیح معنوں میں امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے سرانجام دیا۔ امام موصوف اپنے عصر کے عظیم علمبرداران سنت میں سے ایک تھے۔ یہ وہ جلیل القدر ہستی ہے جس کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "ان کے ہاں جایا کرو کیونکہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر سنت کا عالم موجود نہیں ہے۔" (حالانکہ حسن بصری اور انہی کے پائے کے دوسرے بزرگ زندہ تھے)۔ انہی کے بارے میں امام مسلم فرماتے ہیں کہ "نوّے صحیح حدیثیں مجھے صرف امام زہریؒ کے واسطے سے ملی ہیں۔" اس زمانے کے کثیر علماء وائمہ نے تسلیم کیا ہے کہ اگر زہری نہ ہوتے تو سنن کا بیشتر حصہ تلف ہو جاتا۔ امام زہری نے احادیث کے مجموعے مسانید یا صحاح ستہ کے طرز پر مدون نہیں کیے تھے۔ انہوں نے مختلف ابوابِ حدیث میں سے ہر باب پر الگ الگ کتابیں مرتب کی تھیں۔ امام زہری کے پاس جب اُن کے شاگرد جمع ہوتے تھے تو امام متفرق اور علیحدہ علیحدہ اجزا نکال لاتے اور ان کے سپرد کرتے تھے تاکہ وہ روایت کر سکیں بہرحال تدوین حدیث کا سنگِ بنیاد رکھنے والے امام زہری ہی ہیں۔ اُن کے علاوہ دیگر تابعین حدیث کو اس ڈر کی بنا پر نہیں لکھتے تھے کہ کہیں اس عمل سے قوتِ حافظہ کمزور نہ ہو جائے۔ بلکہ امام زہری بھی اپنی علمی شہرت کے اوائل تک کتابت کو ناپسند کرتے تھے۔ آخر کار حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے انہیں اس کے لیے راغب اور آمادہ کیا۔ آگے مستشرقین کی بحث میں امام زہری کا ذکر دوبارہ آئے گا اور وہاں ہم اس سلسلے کی مزید تفصیلات پیش کریں گے۔

امام زہری سے متصل بعد کے زمانے میں تدوین کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوگیا۔ مکہ میں ابن جریج (۱۵۰)، ابن اسحاق (۱۵۱)، مدینہ میں سعید ابن ابی عروبہ (۱۵۶)، ربیع ابن صبیح (۱۶۰)، امام مالک (۱۷۹)، بصرہ میں حماد بن مسلمہ (۱۷۶)، کوفہ میں سفیان ثوری (۱۶۱)، شام میں ابوعمرو اوزاعی (۱۵۶)، واسط میں ہشیم (۱۸۸)، خراسان میں عبداللہ ابن مبارک (۱۸۱)، یمن میں معمر (۱۵۳)، رے میں جریر بن عبدالحمید (۱۸۸) نے احادیث کو جمع اور ضبط کرنا شروع کردیا تھا۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ (۱۹۸)، لیث بن سعد (۱۷۵)، شعبہ بن حجاج (۱۶۰)، اور محمد بن حسن (۱۸۹) نے بھی آثار جمع کیے۔ یہ تمام بزرگ ہم عصر تھے اور نہیں کہا جاسکتا کہ اس بابرکت کام میں کون آگے تھا اور کون پیچھے۔ ان سب کا انداز ترتیب یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہی مجموعے میں حدیث رسولؐ، اقوال صحابہ، اور تابعین کے فتاویٰ کو ضم کردیا۔ صرف ایک قسم کی احادیث کو ایک باب میں اکٹھا کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبی نے کیا۔ چنانچہ توجیہ النظر ص۸ پر ان کے باب الطلاق کا ذکر ہے۔

اس کے بعد تیسری صدی میں وہ زریں دور سعادت شروع ہوا جس میں حدیث کی عظیم الشان اور زندہ جاوید کتابیں تالیف کی گئیں جنہیں قدرت نے قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا۔ اس صدی میں کام کا آغاز مسانید کی ترتیب سے ہوا۔ مُسند حدیث کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں موضوع سے قطع نظر ایک صحابی کی مرویات کو ایک باب میں جمع کردیا جائے۔ اصحاب مسانید کا پہلا گروہ عبداللہ بن موسیٰ عیسی کوفی، مسدد بصری، اسد بن موسیٰ اور نعیم ابن حماد خزاعی پر مشتمل ہے۔ بعد میں دوسرے محدثین آتے ہیں مثلاً امام احمد بن حنبل، اسحاق ابن راہویہ، عثمان ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ ان حضرات نے اقوال صحابہ و تابعین کو چھوڑ کر صرف احادیث کو اپنے مُسندات میں لیا ہے۔ لیکن احادیث میں صحیح و غیر صحیح کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا۔ چنانچہ طالب حدیث کا ان میں سے صحیح احادیث کا چھانٹنا بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک فن حدیث پر عبور حاصل کیے بغیر یہ کام عملاً محال ہے۔ حدیث کے ایک عام طالب علم کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس معاملے میں ائمہ حدیث سے رجوع کرے ورنہ حدیث اُس کے لیے مجہول الحال رہے گی۔ اسی ضرورت نے امام محمد بن اسماعیل بخاری (۲۵۶ھ) کو ــ جو کہ اس دور کے امام حدیث اور مجتہد مطلق ہیں ــ ایک نئے اسلوب تالیف پر آمادہ کردیا اور وہ یہ تھا کہ صرف صحیح احادیث کا انتخاب تیار کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے

اپنی مشہور کتاب "الجامع الصحیح" اسی اصول پر مرتب کی۔ ان کے ہم عصر اور ان کے شاگرد رشید امام مسلم بن حجاج قشیری (۲۶۱ھ) نے بھی اسی طرح کی ایک صحیح کتاب تالیف کی۔ ان دونوں اماموں نے عام طالبانِ حدیث کے لیے صحیح احادیث تک رسائی کا راستہ ہموار کر دیا۔ اسی نہج پر بعد میں بہت سی کتابیں جمع کی گئیں جن میں سے اہم ترین سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ)، نسائی (۳۰۳ھ)، جامع ترمذی (۲۷۹ھ) اور سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) ہیں۔ ان چھ کتابوں کو محدثین کی اصطلاح میں "صحاح ستّہ" کہا جاتا ہے۔ ان چھ ائمہ نے اپنے سے پہلے کی کتب حدیث کی اکثر روایتوں کو اپنے ہاں لے لیا ہے، کیونکہ محدثین کے قاعدے کے مطابق انہوں نے سابق ائمہ سے ہی احادیث کو روایت کیا ہے۔

اس کے بعد چوتھی صدی شروع ہوئی۔ اس صدی کے رجال نے اپنے پیشروؤں کے اثاثے میں کسی اہم نوعیت کا اضافہ نہیں کیا۔ انہوں نے پہلے مجموعوں کو زیادہ مرتب و منظم کیا اور طُرقِ حدیث کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا۔ اس عہد کے مشاہیر ائمہ میں سے پہلے شخص امام سلیمان بن احمد طبرانی (۳۶۰ھ) ہیں، جنہوں نے تین معاجم تالیف کی ہیں، الکبیر، الاوسط، اور الصغیر۔ معجم کبیر میں روایات صحابہ کے اسماء کے حروفِ تہجی کے اعتبار سے جمع کی گئی ہیں۔ اس میں پچیس ہزار پانسو احادیث ہیں۔ معجم اوسط اور معجم اصغر کی ترتیب بھی اسی اصول پر ہے۔ اس دور کے دوسرے نمایاں محدثین امام دارقطنی (۳۸۵ھ)، ابن حبان البستی (۳۵۴ھ)، ابن خزیمہ (۳۱۱ھ)، اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) ہیں۔

اس طرح سے سنت کے جمع و تدوین کا کام تکمیل پذیر ہوا اور حدیث کا چھٹا ہوا ذخیرہ یکجا ہو گیا۔ بعض صحیح احادیث تیسری صدی کے مجموعوں میں بھی جمع ہونے سے رہ گئی تھیں۔ آئندہ دور میں علماء حدیث نے استدراک کر کے ان احادیث کو بھی مدوّن کر دیا۔ استدراک سے مراد یہ ہے کہ پہلے ائمہ نے جو شرائط اخذِ حدیث کے لیے وضع کی تھیں، انہی شرائط کے تحت بعض ایسی احادیث کو جمع کر دیا گیا جو پہلے مجموعوں میں موجود نہ تھیں۔ ان محدثین میں سے قابلِ ذکر ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "مستدرک" میں ان احادیث کی تخریج کی ہے جو بخاری اور مسلم کے شروط پر پوری اترتی ہیں مگر صحیحین میں موجود نہیں ہیں۔ بعد کے ناقدینِ حدیث نے ان میں سے بعض احادیث کو تسلیم اور بعض کو رد کیا ہے۔

**علم مصطلح حدیث** فتنۂ وضعِ حدیث کا مقابلہ کرنے کے لیے محدثین نے جو کوششیں کی ہیں۔ انہی سے مصطلحاتِ حدیث کے علم کا فنی ارتقا ہوا ہے۔ یہ علم صحتِ حدیث کے علمی قواعد سے بحث کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ انسانی معلومات و روایات کی تنقید کے لیے اس سے زیادہ صحیح اور سائنٹفک اصول و قواعد سے اب تک آشنا نہیں ہو سکی علمی بنیادوں پر اقوال و آثار کی تحقیق اور احاطہ کرنے میں ہمارے علماء کو سبقت اور پیش قدمی کا شرف حاصل ہے۔ پھر جانچ پرکھ اور نقد و جرح کا یہ ذوق ہمارے ہاں محدثین ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ تاریخ، فقہ، تفسیر، لغت اور ادب کے جملہ علوم میں یہ ذوق عام ہو گیا۔ چنانچہ اوّلین تصنیفی دور کے اندر اکثر علمی تالیفات میں جو مسائل و اقوال اسلاف سے نقل کیے جاتے تھے ان کا پورا سلسلۂ اسناد بیان کیا جاتا تھا پھر پوری کتابیں فی نفسہا نسلاً بعد نسلٍ متقدمین سے متاخرین کی طرف سند کے ساتھ روایت کی جاتی تھیں۔ مثلاً صحیح بخاری جو آج مسلمانوں میں متداول ہے، اس کے امام بخاری کی تالیف ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہے اور یہ بات پوری تحقیق سے ثابت ہے کہ اس کتاب کی نسبت امام بخاری کی طرف بالکل صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پوری کتاب کا امام بخاری سے لے کر آج تک روایت کا سلسلہ بالکل متصل ہے۔ اس مضمون کے مصنف کے پاس صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی بقیہ کتب کی روایت کے لیے باقاعدہ اذن و اجازت ہے جس کا سلسلہ دمشق، حلب اور ہند کے مختلف شیوخ سے شروع ہو کر کتابوں کے مولفین تک پہنچتا ہے۔ امت مسلمہ کی علمی تصنیفات کو اسناد کا یہ ایسا امتیازی وصف حاصل ہے جو دنیا کی کسی قوم کو اپنے علمی ورثے کے بارے میں حاصل نہیں ہے، حتیٰ کہ اکثر مذاہب کی کتب دینیہ بھی منقطوع السند ہیں اور ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب عالم وجود میں آئیں اور کن ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچیں۔

اصطلاح حدیث کا علم، جیسا کہ بیان ہوا، حدیث کی صحت سے بحث کرتا ہے اور اس لحاظ سے حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح سے یہ علم راوی اور روایت کے عِلَل، اضطراب اور شذوذ وغیرہ سے بحث کرتا ہے اور یہ امر واضح کرتا ہے کہ کن شرائط کے تحت خبر کو

قبول کر لینا چاہیے اور کن حالات میں اُس کے بارے میں توقف کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں حدیث کی طلب، سماع، ضبط اور روایت سے متعلق مختلف آداب و قواعد بھی اسی علم کا ایک ضروری جزو ہیں۔ مصطلحاتِ حدیث سے تعلق رکھنے والے یہ سارے علوم پہلی تین صدیوں میں مرتب اور مدوّن کر لیے گئے تھے۔ سب سے پہلے جنہوں نے اس سلسلے میں کام کیا ہے وہ امام بخاری کے شیخ علی بن المدینی (۲۳۴ھ) ہیں۔ امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی اپنی کتابوں کے مختلف مقامات پر فنِ حدیث سے بحث کی ہے، لیکن انہوں نے ان مسائل پر کوئی مستقل اور مجرد تصنیف نہیں چھوڑی۔ اس فن پر پہلی جامع اور علمی تصنیف "قاضی ابو محمد رامہرمزی (۳۶۰ھ) کی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والسامع" ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ مفصل اور مبسوط کتاب "معرفۃ علوم حدیث" ہے جو امام حاکم (۴۰۵ھ) نے لکھی ہے۔ اُن کے بعد ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) آتے ہیں جنہوں نے حاکم کی کتاب پر تکمیلی اضافے کیے۔ پھر خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) نے دو کتابیں روایت کے قانون و آداب پر لکھیں جن کا نام "الکفایہ" اور "الجامع لآداب الشیخ والسامع" ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض (۵۴۴ھ) نے اپنی کتاب "الماع" لکھی جو خطیب کی کتابوں پر اضافہ ہے۔ ان کے بعد حافظ تقی الدین عثمان بن صلاح (۶۴۲ھ) نے اپنا مشہور "مقدمہ ابن صلاح" تحریر کیا یہ دراصل اُن کے خطابات ہیں جو انہوں نے اپنے شاگردوں کے سامنے زبانی دمشق کے مدرسہ اشرفیہ میں دیئے تھے۔ اس کتاب میں متقدمین کی کتابوں کے سارے مباحث آ گئے ہیں، گو باہمی ربط و ترتیب موجود نہیں ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اس کتاب پر بہت توجہ صرف کی ہے اور نظم و نثر میں اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں مثلاً "الفیہ" شرح عراقی اور شرح سخاوی وغیرہ۔ اسی طرح امام ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے بھی اسی مقدمے کا اختصار "الباعث الحثیث فی معرفۃ علوم الحدیث" کے نام سے تحریر کیا ہے۔ متاخرین میں سے شیخ طاہر جزائری (۱۳۳۸ھ) کی کتاب "توجیہ النظر" اور شیخ جمال الدین قاسمی (۱۳۳۲ھ) کی کتاب "قواعد التحدیث" قابلِ ذکر ہیں۔ موخرالذکر نہایت مفید اور عمدہ ترتیب کی حامل ہے۔

**علم جرح و تعدیل** علما کے حدیث کی مبارک مساعی کا ایک نتیجہ علم جرح و تعدیل بھی ہے۔ اسے علم میزانِ رجال یا علم رجال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جس میں راویوں کی امانت، ثقاہت،

عدالت اور قوتِ ضبط یا اس کے برعکس اُن کے کذب، غفلت یا نسیان وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ فنِ حدیث کے طفیل یہ عظیم الشان علم بھی وجود میں آیا ہے اور اقوامِ عالم کی تاریخ میں اس طرح کے علم کی نظیر نہیں ملتی۔ علمائے حدیث کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے ہم عصر اور اپنے سے پہلے کے راویوں کے حالات مکمل طور پر معلوم کرتے تھے اور اپنی معلومات کی بنا پر وہ جو رائے بھی قائم کرتے تھے اُسے بلا تامّل اور علانیہ ظاہر کر دیتے تھے، کیونکہ اس باب میں اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی سنت کی حمایت مقصود تھی۔ امام بخاری سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ آپ گذشتہ لوگوں کے تاریخی حالات پوست کندہ بیان کرتے ہیں اور یہ غیبت ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ میری اپنی رائے نہیں ہے بلکہ میں اسے متقدمین ہی سے روایت کر رہا ہوں اور ایسا کرنا بعض حالات میں ناگزیر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ ایک آدمی کے اپنے پاس سے اُٹھ جانے کے بعد فرمایا تھا کہ "یہ اپنے قبیلے کا ایک بُرا فرد ہے"۔

ناقدینِ حدیث کا راویوں پر تنقید کا طریقہ یکساں نہیں تھا۔ بعض ان میں سے متشدد تھے، مثلاً ابن معین، قطان، ابن حبان اور ابو حاتم رازی وغیرہ۔ بعض اپنی تنقید میں بہت نرم تھے مثلاً ترمذی، حاکم اور ابن مہدی وغیرہ اور بعض معتدل تھے، مثلاً احمد اور بخاری۔ اس بنا پر بعض راویوں کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں اور بعض ضعیف۔ بعض مرتبہ ایک عالم سے ایک ہی راوی کے بارے میں دو رائیں منقول ہوتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی ناقدِ حدیث کی نگاہ میں قابلِ اعتماد تھا، لیکن بعد میں اُس کے بارے میں ایسی چیزیں علم میں آئیں جن کی وجہ سے رائے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ ائمہ و فقہا کے درمیان اجتہاد کے موقع و محل کے بارے میں جو اختلاف تھا، وہ بھی راویوں کی تجریح و تعدیل پر اثر انداز ہوا۔ چنانچہ اہل الرائے اور اہلِ حدیث کے مشہور اختلاف کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض اہلِ حدیث نے اہل الرائے کے بعض ائمہ پر طعن کیا ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اس طعن کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دونوں گروہوں کے طریقِ اجتہاد میں اتفاق نہیں تھا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسلامی فقہ و تشریع کے ایک جلیل القدر امام ہیں، لیکن اُن پر بعض محدثین نے حملے کیے ہیں۔ اور اپنے زہد و ورع اور تقویٰ و جلالت کے باوجود وہ بعض

اہلِ حدیث کی تنقید سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ فہم نصوص اور استنباطِ احکام میں ایسا دقیق اور عمیق ملکہ رکھتے تھے جو بہت سے محدثین بلکہ ان کے ائمہ سے بھی مخفی رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام اہلِ حدیث میں امام ابوحنیفہ کے خلاف ایک تعصب پیدا ہو گیا اور انہوں نے امام پر ایسے اتہامات عائد کیے ہیں جن کی تاریخ قطعی طور پر تکذیب کرتی ہے۔

جرح و تعدیل کی اس افراط و تفریط کو دیکھ کر اکثر علماء نے یہ قاعدہ بنا لیا تھا کہ وہ مجمل اور گول مول تنقید کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ واضح اور مدلل جرح کو تسلیم کرتے تھے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جرح کہیں ناقد کی ذاتی یا گروہی عصبیت کی پیداوار تو نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر "الباعث الحثیث" کے صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں "جرح جب تک مفصل نہ ہو قبول نہیں کی جا سکتی، کیونکہ جرح کے مختلف اسباب ہیں ہو سکتا ہے کہ ناقد نے کسی ایسے فعل کو بنا قرار دے کر جرح کی ہو جو فی نفسہٖ قابلِ اعتراض نہ ہو۔ ایک ناقد کے بارے میں تو یہاں تک منقول ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے فلاں راوی سے روایت کرنا کیوں ترک کر دیا ہے تو کہنے لگے کہ میں نے اُسے شاندار ترکی گھوڑے پر سوار دیکھا ہے، اس لیے اُس سے حدیث لینا چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح صالح المری سے حدیث روایت کرنے کے بارے میں جب ایک صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ صالح کس کام کا راوی ہے؟ حماد بن سلمہ کے پاس جب ایک دن اس کا ذکر کیا گیا تو حماد نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا" ظاہر ہے کہ ترکِ روایت کے لیے اس طرح کے وجوہ غیر معقول ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جرح کے لیے بیانِ اسباب کو لازمی شرط قرار دینا کیوں ضروری ہے؟۔ لیکن اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ مثالیں ایسے لوگوں کی ہیں جو علمِ رجال سے بالکل جاہل اور اس کوچے میں بالکل نابلد اور طفیلی کی حیثیت میں ہیں۔ ائمۂ فن جو اپنے منصبِ علمی کی شان سے آگاہ اور اس کے نشیب و فراز سے باخبر ہیں وہ کبھی ایسے لغو اور مضحکہ انگیز وجوہ کو بنائے جرح نہیں قرار دیتے۔

راویوں کی توثیق و تضعیف کے بارے میں بحث و کلام کی ابتداء صغارِ صحابہ (مثلاً حضرت عباسؓ (۶۸ھ) و عبادۃؓ بن صامت (۳۴ھ) اور انس بن مالک (۹۳ھ) کے زمانے سے ہی ہو چکی تھی۔ تابعین

میں سے سعید بن مسیب (۹۳ھ)، شعبی (۱۰۴ھ)، ابن سیرین (۱۱۰ھ) اور اعمش (۱۴۸ھ) بھی اسی روش پر کاربند رہے۔ بعد میں شعبہ (۱۶۰ھ) کا طریق بھی محققانہ تھا اور وہ ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت کرتے تھے اور امام مالک (۱۷۹ھ) کی احتیاط اس بارے میں معروف اور مسلّم ہے۔ تیسری صدی میں جرح و تعدیل کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔ قابلِ ذکر مصنفین یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ)، احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) محمد بن سعد (صاحب طبقات)، (۲۳۰ھ)، علی بن المدینی (۲۳۴ھ)، بخاری، مسلم، ابو زرعہ رازی (۲۶۴ھ) ابو حاتم رازی (۲۷۷) اور ابوداؤد سجستانی (۲۷۵ھ) ہیں۔ اس کے بعد علما نویں صدی کے اواخر تک اس فن کو ترقی دیتے رہے ہیں، حتیٰ کہ اب کتبِ حدیث کے راویوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا باقی نہیں رہا جس پر جرح نہ کی جا چکی ہو۔

کتبِ رجال کی مختلف اقسام ہیں بعض صرف ثقہ راویوں کے ذکر پر مشتمل ہیں، مثلاً کتاب الثقات جو ابن حبان (۳۵۴ھ) نے لکھی ہے۔ بعض صرف ضعیف راویوں کے لیے مخصوص ہیں اور ایسی کتابیں بخاری، نسائی، ابن حبان، دارقطنی (۳۸۵ھ)، عقیلی (۳۲۲ھ) اور ابن جوزی (۵۹۷) نے لکھی ہیں بعض ایسی ہیں جو دونوں طرح کے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہیں اور ان میں سے زیادہ مشہور امام بخاری کی تین تاریخیں ہیں، تاریخ کبیر حروف تہجی کے اعتبار سے، اور تاریخ اوسط و صغیر سنین کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں۔ اسی نوعیت کی تصنیفات ابن حبان کی "کتاب الجرح والتعدیل"، ابن ابی حاتم رازی (۳۲۷ھ) کی "جرح و تعدیل" ابن سعد کی "طبقات کبریٰ" ہے۔ اس موضوع پر بہترین کتابوں میں سے ایک ابن کثیر کی تالیف "التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل" ہے۔ اس میں انہوں نے تہذیب المزی اور میزان ذہبی کو جمع و اضافے کے ساتھ از سرِ نو مرتب کیا ہے اور کہیں کہیں عبارتوں میں اصلاح کی ہے۔ ایک محدث اور فقیہ کے لیے یہ کتاب نہایت کارآمد ہے۔

**متفرق علومِ حدیث** سنت کے علم، روایت، محافظت، اور اس کے اصول و مآخذ سے متعلق علوم کی متعدد اقسام ہیں۔ حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "معرفت علوم الحدیث" میں ایسے باون علوم گنوائے ہیں۔ ہم ان میں سے چند اہم علوم کا ذکر کرتے ہیں تاکہ علمائے سنت کی دقتِ نظر اور ضبط و تحقیق کا ایک اندازہ

ناظرین کو ہو سکے۔

۱۔ رواۃ کی معرفت ۔ سب سے مقدم اور ضروری امر یہ ہے کہ راوی کے حالات کی معرفت حاصل کی جائے کہ آیا وہ صادق القول اور صحیح الاصول ہے ۔ یا وہ کاذب، تغافل شعار اور سہل انگار ہے ۔ حاکم فرماتے ہیں " اس امر کا اطمینان حاصل کر لینا ضروری ہے کہ راوی توحید اور اطاعت انبیاء کا عقیدتاً و عملاً پابند ہے اور اس کے اور اس کے شیوخ کے سنین حیات میں ایسی مطابقت ہے کہ ایک کا دوسرے سے لقاء اور سماع ممکن ہے ۔ ہم نے کئی ایسے راوی دیکھے ہیں جو ایسے شیوخ سے روایت کا دعویٰ کرتے ہیں جن سے اُن کی ملاقات تاریخی طور پر محال ہے ۔ اسی طرح راوی کے اصول (یعنی وہ کتب جن سے وہ روایت کرتا ہے) کا جانچنا بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ قدیم ہیں یا جدید ۔ اس زمانے میں بعض لوگ متقدمین کی کچھ کتابیں خرید لیتے ہیں اور پھر ان کی روایت اس طرح سے بیان کرتے ہیں گویا کہ یہ احادیث انہوں نے خود سنی ہیں ۔ مزید غضب یہ ہے کہ بعض دوسرے لوگ ان مسموعات کو لکھ لیتے ہیں اور پھر ان کی روایت شروع کر دیتے ہیں ۔ علماء حدیث کا فرض ہے کہ جب اس طرح کی مثالیں ان کے سامنے آئیں تو ان پر نہایت کڑی تنقید کریں تاکہ ایسے لوگ ساقط الاعتبار قرار پائیں اور توبہ پر مجبور ہو جائیں ۔ عام مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ اگر اُن کے علم میں ایسی کوئی چیز آئے تو فوراً علماء کو اس سے باخبر کریں۔

۲۔ مسانید کی جانچ ۔ یہ ایک عظیم الشان علم ہے اور اس کا جاننا ضروری ہے کیونکہ اکثر ائمہ کے نزدیک حدیث جس کی سند مکمل اور متصل نہ ہو وہ حجت نہیں ہے ۔ حدیث کے مُسند ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے ہر راوی نے حدیث کو اپنے شیخ سے ایسی عمر میں سنا ہو جس میں وہ حدیث کو سمجھ کر سننے، محفوظ کرنے اور روایت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ۔ اس سلسلے کو کسی مشہور صحابی اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہونا چاہیے ۔

۳۔ آثار موقوفہ کی پہچان ۔ اثر موقوف سے مراد کسی صحابی کا ایسا قول ہے جس کی نسبتِ صریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو ۔ مثلاً حاکم نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپؐ کے دروازے کو انگلیوں سے ٹھونکتے اور کھٹکھٹاتے تھے ۔ حاکم اس حدیث کے بارے

میں فرماتے ہیں کہ ایک عامی اس حدیث کو مُسند خیال کرے گا کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک موجود ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک صحابی پر موقوف ہے۔

۴۔ مُدرَج کی پہچان۔ مُدرج اس عبارت کو کہتے ہیں جو دراصل کسی صحابی کا کلام ہو، لیکن حدیث کے متن کے اندر تشریح و توضیح کے طور پر شامل ہو گیا ہو۔ اس کی مثال حاکم کی ایک حدیث ہے جو حضرت ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھایا۔ پھر ابن مسعودؓ نے تشہد پڑھا اور فرمایا جب تو یہ پڑھ لے تو تیری نماز مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد اگر تو چاہے تو اٹھ جائے اور چاہے تو بیٹھا رہے۔" اس حدیث کے آخری حصے میں کلام مدرج داخل ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دوسرے طریق سے اسی طرح کی روایت میں تصریح ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا "جب تو اس سے فارغ ہو جائے تو تیری نماز مکمل ہو گئی۔"

۵۔ حدیث صحیح و سقیم کی عام معرفت۔ اس سے مراد اسناد کی جرح و تعدیل کے علاوہ حدیث کے مضامین و متون کی عام معرفت ہے۔ بعض احادیث ایسی ہیں جن کی کتب صحاح میں تخریج نہیں کی گئی، وہ جرح سے محفوظ رہ گئی ہیں اور ان کے متن کے بعض اجزاء غیر صحیح ہیں۔ مثلاً حاکم نے متصل سند کے ساتھ حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر آخری رات میں ایک رکعت ہے۔" اس حدیث کے اسناد میں تمام ثقات ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ امر ثابت ہے کہ اس میں رات کے ساتھ دن کا بھی ذکر راوی کے وہم یعنی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ حاکم نے اس حدیث پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "صحیح حدیث صرف اسناد کے بل پر نہیں پہچانی جاتی۔ بلکہ حدیث کا فہم، حفظ اور کثرتِ سماع بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس قسم کے علم کی تحصیل کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز اہلِ علم و فہم سے مذاکرہ ہے۔ وہ احادیث جو صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہیں، خواہ وہ صحیح الاسناد ہوں، ان کی جانچ اور پرکھ بہت ضروری ہے۔"

۶۔ معرفت علل حدیث۔ علل سے مراد حدیث کے متن یا سند کے وہ خفیف نقائص اور

اسقام ہیں جو عموماً جرح و تعدیل میں مخفی رہ جاتے ہیں یا نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ امام حاکم اس بارے میں فرماتے ہیں "مجروح حدیث کا ناقابل اعتماد ہونا تو بالکل واضح ہوتا ہے لیکن معلول حدیث میں بعض خفیہ اسباب طعن موجود ہوتے ہیں جو کثرت مطالعہ اور عمیق فہم و بصیرت سے ہی معلوم کیے جا سکتے ہیں" امام حاکم نے اپنی کتاب میں دس قسم کے علل گنوائے ہیں اور ہر قسم کی الگ الگ مثالیں بھی دی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں ایک حدیث دوسری حدیث میں خلط ملط ہو گئی ہے یا راوی کو کسی طرح کا وہم لاحق ہوا ہے یا مرسل حدیث کو متصل سمجھ لیا گیا ہے۔

۷۔ مذاہب محدثین کی معرفت۔ اس ضمن میں امام حاکم نے ائمہ حدیث کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے انہوں نے بہت سے راویوں کے غلط مذاہب و مسالک بیان کیے ہیں۔

۸۔ معرفت تصحیفات۔ اس سے مراد سند اور متن کے الفاظ و حروف کی ان غلطیوں کو پہچاننا ہے جو ہم شکل یا ہم مخرج الفاظ میں اکثر ہو جاتی ہیں۔ حاکم نے اس کی بھی متعدد مثالیں اپنی کتاب میں دی ہیں۔

۹۔ معرفۃ مراتب صحابہ۔ اس سے مراد صحابہ اور ان کی اولاد کے مختلف تاریخی طبقات ہیں۔ حاکم نے ایسے دس طبقات گنوائے ہیں۔ طبقۂ اول میں وہ صحابہ کرام ہیں جو مکہ میں اسلام لائے اور آخری طبقہ میں وہ اطفال ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم الفتح یا حجۃ الوداع کے موقع پر دیکھا ہے۔ جہاں دو راوی باپ بیٹا ہوں اور دونوں صحابی ہوں وہاں التباس کا بہت خدشہ ہوتا ہے جس سے بچنے کے لیے علم طبقات ضروری ہے۔

۱۰۔ معرفت تابعین۔ صحابہ کے طبقات کی طرح تابعین کے بھی طبقات ہیں اور انہیں جاننا بھی لازمی ہے بعض اوقات صحابہ اور تابعین، اور تابعین و تبع تابعین کے مختلف طبقات کو جانے بغیر روایات میں کئی طرح کی غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے۔ امام حاکم نے غیر صحابہ کے طبقات کو بھی بڑی تفصیل سے مرتب کیا ہے اور انہیں پندرہ اصناف میں تقسیم کیا ہے۔

حاکم کی کتاب "معرفت علوم حدیث" کے یہ صرف چند مختصر اشارات ہیں۔ یہ کتاب اتنی جامع ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

**کتب موضوعات و وضاعین** | جب روایت میں کذب بیانی شروع ہوئی تو اسلاف کا یہ عام قاعدہ ہوگیا وہ اس معاملے میں بہت تتبع اور تجسس کرتے تھے اور جب کذابین کو پہچان لیتے تھے تو پھر اپنی مجالس میں علانیہ اس بات کا تذکرہ کرتے تھے کہ فلاں کذاب ہے، فلاں زندیق ہے، فلاں نفس پرست اور اہل بدعت و ہویٰ میں سے ہے۔ اس تشہیر سے جھوٹوں کی خوب تذلیل ہوتی تھی اور ہر شخص انہیں پہچان لیتا تھا۔ انہی کذابین میں سے چند ایک یہ ہیں :۔

۱۔ ابان بن جعفر نمیری، جس نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرکے تین سو حدیثیں گھڑی تھیں۔

۲۔ ابراہیم بن زید اسلمی، جس نے امام مالکؒ کی نسبت سے بے اصل حدیثیں بیان کی ہیں۔

۳۔ احمد بن عبداللہ جویباری۔ اس نے کرامیہ کے لیے ہزاروں حدیثیں وضع کیں۔

۴۔ جابر بن زید الجعفی، اس کے بارے میں سفیان فرماتے ہیں کہ میں نے جابر سے تیس ہزار حدیثیں ایسی سنی ہیں کہ میں کسی قیمت پر ان کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

۵۔ محمد بن شجاع لبثی۔ اس نے احادیث تشبیہ گھڑ کر اہل حدیث کی جانب منسوب کیں۔

۶۔ نوح بن ابی مریم، اس نے قرآن کی ہر سورت کے فضائل میں احادیث گھڑیں۔ بعد میں اس نے خود اعتراف کیا کہ لوگوں کو ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کے مغازی سے ہٹا کر قرآن کی طرف لوٹانا اس کا مقصود تھا۔

حارث بن عبداللہ اعور، مقاتل بن سلیمان، محمد بن سعید مصلوب، واقدی اور ابن ابی یحییٰ بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔

علماء نے ایسی روایات اور ایسے راویوں کا پورا کھوج لگایا ہے اور ان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں تاکہ مسلمان اس فتنے سے آگاہ ہو جائیں۔ ان میں سے چند اہم کتابیں درج ذیل ہیں :۔

۱۔ موضوعات حافظ ابوالفرج بن جوزی (۵۹۷ھ)۔ اس کتاب میں انہوں نے صحاح کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس میں بخاری کی ایک، مسلم کی دو، مسند احمد کی اڑتیس، سنن ابی داؤد کی نو، ترمذی کی تیس، نسائی کی دس، ابن ماجہ کی تیس، مستدرک حاکم کی ساٹھ حدیثیں درج ہیں۔ علاوہ ان کے اور بہت سی موضوع احادیث اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔ بعد کے علماء نے بیشتر ابن جوزی سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ بعض جگہ پر خصوصاً

صحیحین اور مسند احمد کی احادیث کے بارے میں علماء نے ابن جوزی کی جرح سے اختلاف کیا ہے۔

۲۔ ابو عمر بن بدر الموصلی (۶۲۳ھ)، کی کتاب "المغنی عن الحافظ"۔ اس میں مصنف نے صرف ان ابواب کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی حدیث صحت کے معیار تک نہیں پہنچتی۔ مثلاً ایمان کے بڑھنے گھٹنے اور قول و عمل دونوں پر مشتمل ہونے" کے باب میں ان کے نزدیک کوئی حدیث صحیح نہیں۔ متعدد علماء نے اس کتاب کے مندرجات سے بھی اختلاف کیا ہے۔

۳۔ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی (۹۱۱ھ)۔ اس کے مقدمے میں سیوطی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں ابن جوزی کا اختصار کیا ہے اور بعض ایسی احادیثِ صحیحہ کی مدافعت کی ہے جن پر ابن جوزی نے جرح کی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کے دو ایڈیشن مرتب کیے تھے۔ ایک سے وہ ۸۷۰ھ میں فارغ ہوئے۔ اس میں تعقیبات مختصر تھیں۔ دوسرا ایڈیشن ۹۰۵ھ میں لکھنا شروع کیا۔ اس میں مبسوط مباحث ہیں اور بہت سی موضوعات ابن جوزی کی موضوعات سے زائد مندرج ہیں۔ یہ زیادات الگ ضمیموں اور حواشی کی شکل میں ہیں۔

۴۔ تذکرۃ الموضوعات محمد بن طاہر بن علی فتنی (۹۸۶ھ)۔ اس میں علاوہ موضوعات کے حروفِ تہجی کے لحاظ سے جھوٹے اور ضعیف راویوں کا بھی تذکرہ ہے۔

۵۔ الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، امام شوکانی (۱۲۵۰ھ)

یہ ہے مختصر سرگذشت علماءِ سنت کی اُن کوششوں کی جو انہوں نے حدیث کی تدوین، تصحیح اور تنقیح کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں، رحمہم اللہ! کسی امت کے اہل علم نے اپنے نبیؐ کے اقوال و ارشادات کی حفاظت و نقاد کے لیے اتنی تندہی، جانفشانی اور دیدہ ریزی کا ثبوت نہیں دیا، بلکہ قدیم و جدید تاریخی علوم میں سے کسی علم کی بھی خدمت آج تک اس ہمت و استقلال سے نہیں کی گئی۔